حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

ہری ہوگئی کھیتی ساری خدا کی

پیغمبروں کی جماعت:

پیغمبروں کا گروہ ایجاد و اکتشاف کا دعویٰ نہیں کرتا نہ وہ علوم میں مہارت کا مدعی ہے نہ اس کو ادب و شاعری پر ناز ہے وہ اپنے متعلق نہ مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہیں نہ بے ضرورت خاکساری سے وہ بڑی صفائی اور سادگی سے کہتے ہیں کہ وہ دنیا کو تین چیزیں عطا کرتے ہیں۔ ا۔صحیح علم ۲۔اس علم پر یقین۔۳۔اس علم پر عمل کرنے اور یقین کے مطابق زندگی گزارنے کا جذبہ اور خواہش۔ یہ ہے حضرت آدم سے لے کر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تک کی تعلیم کا نچوڑ۔

پیغمبر کہتے ہیں کہ سب سے پہلے یہ معلوم ہونا چاہئے کہ ہم کو کس نے پیدا کیا اور کیوں پیدا کیا؟ اس کے معلوم کیئے بغیر ہمارا ہر قدم غلط ہے ہم کو اس دنیا کی کسی چیز سے فائدہ اٹھانے کا کوئی حق نہیں اس لیے کہ اس زندگی میں جو کچھ ہو رہا ہے چلنا، پھرنا، کھانا، پینا وہ سب اس عظیم کل کا ایک حقیر جزء ہے جب تک کہ ہم کو اس کائنات کا مرکز معلوم نہیں اور ہم اس کے مقصد کلی سے اتفاق نہیں رکھتے ہم کو اس کے اجزاء سے فائدہ اٹھانے کا کیا حق ہے؟ اس کے بغیر تو روٹی کا ایک ٹکڑا توڑنا حرام ہے، آپ کے اور اس کائنات کے دوسرے جزء کے درمیان کس نے ربط پیدا کیا اسی خالق کائنات نے اور اسی مقصد کلی نے! اگر آپ اس خالق کائنات کو نہیں جانتے یا نہیں مانتے ہیں اس مقصد کلی سے آپ کو اتفاق نہیں ہے تو آپ کو اس کائنات کے کسی ذرہ یا دوسرے جزء سے فائدہ اٹھانے کا کیا حق ہے؟ میں پوچھتا ہوں کہ اگر روٹی کا وہ ٹکڑا جو آپ کے ہاتھ میں ہے آپ سے سوال کرے کہ میں نے تو اپنے خالق کو پہچان لیا اور اس کے حکم کے مطابق میں نے اپنے مخدوم کے لیے اپنے وجود کو قربان کر دیا لیکن اے انسان! تو نے نہ اپنے خالق کو جانا نہ اس کی بندگی کی، تجھے مجھ سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے؟ تو آپ کیا جواب دیں گے؟

اس دنیا کی کسی چیز کا استعمال غلط ہے، جب تک یہ جان نہ لیا جائے کہ اس کا پیدا کرنے والا کون ہے اور اسکا مقصد کیا ہے؟ مگر یہ عجیب ٹریجڈی ہے کہ آج دنیا میں تمام کام ہو رہے ہیں، بازار میں چہل پہل ہے، تعلقات قائم ہو رہے ہیں، سواریاں چل رہی ہیں، بڑے بڑے کام ہو رہے ہیں مگر کسی کو یہ معلوم کرنے کی فرصت نہیں کہ جس دنیا میں یہ سب کچھ ہو رہا ہے اس کا پیدا کرنے والا کون ہے، اس کی پیدائش کا مقصد کیا ہے؟ جب پیغمبر دنیا میں تشریف لائے، انسانیت کی گاڑی بے مقصد جا رہی تھی فلاسفہ و علماء، ادباء و شعراء، فاتحین و حکمرانوں، کاشتکاروں اور تاجروں کو اپنے

کاموں سے فرصت نہ تھی، حاکم بھی تھے اور محکوم بھی تھے، ظالم بھی تھے اور مظلوم بھی تھے، مگر سب اصل مقصد سے غافل اور اپنے پیدا کرنے والا ے سے ناواقف، ان چھوٹے چھوٹے بالشتی جیسے انسانوں میں ایک بلند قامت انسان آتا ہے اور جن لوگوں کے ہاتھ میں انسانیت کی باگ ڈور تھی ان سے سوال کرتا ہے کہ جواب دو کہ تم نے انسانیت پر یہ ظلم کیا ہے کہ ان کو اپنے مالک اور اس دنیا کے بادشاہ سے ہٹا کر اپنا غلام بنالیا ہے تم کو کیا حق تھا کہ نابالغ انسانیت کا ہاتھ پکڑ کر تم نے اس کو غلط راستہ پر ڈال دیا ہے، اے ظالم ڈرائیور! تو نے مسافروں نے پوچھے بغیر زندگی کی گاڑی کس طرف چلانی شروع کردی، وہ زندگی کے قلب وضمیر میں کھڑے ہو کر انسانیت کو خطاب کرتا ہے اور اسکو پکارتا ہے، اس کے سوال کو ٹالا نہیں جاسکتا، اس کی دعوت اور اس کی پکار پر دو گروہ ہو جاتے ہیں ایک ان کی بات مانتا ہے ایک انکار کرتا ہے۔ دنیا کو ان دونوں راستوں میں سے ایک راستہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔

پیغمبر کی راست گوئی:

پیغمبر کبھی نہیں کہتے کہ ہم قدرت کے راز ہائے سر بستہ کا انکشاف کرنے آئے ہیں ہم طبعی طاقتوں کو مسخر کرنے آئے ہیں، ہم کچھ نئی ایجادیں کریں گے وہ جغرافیہ و معدنیات میں مہارت کا دعویٰ نہیں کرتے، وہ کہتے ہیں کہ ہم اس دنیا کے بنانے والے ہیں بگاڑنے والے نہیں اور اس کی ذات وصفات کا صحیح علم عطا کرتے ہیں جو ہم کو اس دنیا کے مالک نے اور انسان کے خالق نے عطا کیا ہے اور اب ہمارے ہی ذریعہ سے وہ دوسروں کو مل سکتا ہے۔

وہ بتاتے ہیں کہ اس دنیا کا بنانے والا ایک ہے اور اسی کی مرضی و حکمت سے یہ دنیا چل رہی ہے، وہ بلا شرکت غیرے اس کو چلا رہا ہے، یہ دنیا بے مقصد نہیں پیدا کی گئی اور نہ بے مقصد چل رہی ہے اس زندگی کے بعد دوسری زندگی ہوگی جس میں اس پہلی زندگی کا حساب دینا ہوگا، وہاں اچھے اعمال کا انعام ملے گا، برے اعمال کی سزا ملے گی، قانون لانے والے اور خدا کا منشا بتلانے والے پیغمبر ہیں جو ہر ملک اور ہر قوم میں آئے اور خدا کا پیغام لائے خدا کا راستہ ان کے بغیر طے نہیں ہوسکتا، یہ وہ باتیں ہیں جن پر تمام پیغمبر متفق ہیں ان میں کسی قسم کا اختلاف نہیں فلاسفہ وحکماء میں سخت اختلاف ہے ان میں سے دو بھی کسی ایک بات پر متفق نہیں لیکن یہاں کسی ایک بات پر بھی دو پیغمبروں میں اختلاف نہیں۔

لیکن علم کے لیے یقین ضروری نہیں آج ہمارے معلومات کتنے زیادہ ہیں مگر ہمارا یقین کتنا کم ہے علم ہمیشہ یقین پیدا نہیں کرتا قدیم زمانہ کے فلاسفہ میں سے بہت سے یقین سے محروم تھے اور شک کے مریض، آج بھی ان کا علم یقین پیدا کرنے کے بجائے الٹا شک پیدا کرتا ہے، آج بھی بڑے بڑے صاحب علم یقین کو ترستے ہیں، انبیاء کرام تنہا صحیح علم نہیں دیتے تھے اس پر یقین بھی عطا کرتے تھے، علم بڑی دولت ہے مگر اس پر یقین اس سے بڑی دولت ہے علم بغیر

یقین کے زبان کی ورزش ہے دماغ کا تعیش اور دل کا نفاق، پیغمبروں نے اپنے ماننے والوں کو صحیح علم عطا کیا اور مضبوط یقین، اور انہوں نے جو کچھ جانا اس کو مانا پھر اپنے کو اس پر قربان کر دیا، انکے دماغ اس علم سے روشن ہوئے اور انکے دل اس یقین سے طاقتور ان کے یقین کے قصے تاریخ میں پڑھیے، انکے یقین کے نتائج اپنی گردوپیش کی دنیا میں دیکھیے۔

آج اگر یقین ہوتا تو بداخلاقی کیوں ہوتی؟ ظلم کیوں پھیلتا؟ رشوت کا بازار کیوں گرم ہوتا؟ کیا یہ تمام خرابیاں اس لیے ہیں کہ علم نہیں لوگوں کو معلوم نہیں کہ چوری جرم ہے؟ رشوت حرام ہے، گرہ کٹی بداخلاقی ہے؟ یہ کون کہہ سکتا ہے؟ ہم تو دیکھتے ہیں جہاں علم زیادہ ہے وہاں خرابیاں بھی زیادہ ہیں جو لوگ رشوت کی برائی پر کتاب لکھ سکتے ہیں اسکی تاریخ مرتب کر سکتے ہیں وہ زیادہ رشوت لیتے ہیں جو چوری کی خرابی سے اور اس کے انجام سے زیادہ واقف ہیں وہ چوری زیادہ کرتے ہیں گرہ کٹوں کو دیکھئے ان میں سے بہت سے ایسے ملیں گے جو گرہ کٹی کے الزام مین کئی کئی بار سزا بھگتے ہوئے ہیں کیا ان سے زیادہ کوئی گرہ کٹی کے انجام اور سزا سے واقف ہوگا اگر صرف علم کافی ہوتا تو چوری کے سزا کے بعد چوری چھوٹ جاتی، اور ایک بار جرم کرنے کے بعد اور سزا بھگتنے کے بعد کوئی دوبارہ جرم نہ کرتا لیکن ایسا نہیں ہو رہا ہے معلوم ہوا کہ علم تنہا کافی نہیں۔

پھر علم ضروری اور یقین ضروری مگر اس کی کیا ضمانت کہ اس پر عمل کا تقاضا بھی پیدا ہوگا بہت سے لوگ جانتے بھی ہیں اور یقین بھی رکھتے ہیں کہ شراب بہت بری چیز ہے اس کے نقصانات کا تجربہ بھی ہے یقین بھی مگر پیتے ہیں آپ کے شہر میں بہت سے ڈاکٹر، حکیم ہوں گے جو بدپرہیزی کرتے ہیں ان کو یقین ہوتا ہے کہ بدپرہیزی خطرناک ہے مگر وہ بدپرہیزی کر گزرتے ہیں بات یہ ہے کہ عمل کا تقاضا نہیں ہوتا اور ان کے اندر پرہیز کی خواہش اور بدپرہیزی سے نفرت نہیں پیدا ہوتی، بلکہ بدپرہیزی کی خواہش ہوتی ہے اور وہ اس خواہش کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

انبیائے کرام علم و یقین کے ساتھ یہ تیسری طاقت بھی عطا کرتے ہیں یعنی اپنے علم و یقین پر عمل کرنے کی رغبت اور اپنی غلط خواہشات کا مقابلہ کرنے کی طاقت، اس کا نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے علم و یقین سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہیں اور ان کے مطابق زندگی گزارتے ہیں ان کا ضمیر ان کی نگرانی کرتا ہے اور غلط کام کرنے کے وقت ان کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے۔

ہر پیغمبر نے یہ تینوں دولتیں اپنے زمانے والوں اور اپنی اپنی امتوں کو عطا کیں اور انکی بدولت لاکھوں انسانوں کی زندگی بن گئی اور زندگی کی چول اپنی جگہ پر آگئی، انسانیت پر حقیقی احسان انہیں پیغمبروں کا ہے اللہ کا درود وسلام ہو ان پر کہ انہوں نے انسانیت کی دستگیری کی اور اس کو عین وقت پر ہلاکت سے بچا لیا (علیہم السلام)۔

لیکن رفتہ رفتہ یہ دولتیں دنیا سے ناپید ہونے لگیں علم صحیح گم ہو گیا، یقین کا چراغ بجھ گیا نیک عمل کی خواہش

مردہ ہوگئی چھٹی صدی مسیحی آئی تو یہ تینوں دولتیں اتنی نایاب ہو چکی تھیں کہ ان کا سراغ لگانا مشکل تھا، پورے پورے ملک اور پورے پورے براعظم میں ڈھونڈنے سے بھی ایک اللہ کا بندہ نہ ملتا جو علم صحیح اور ایمان قوی کی دولت سے مالا مال ہو، اور انبیاء کا لایا ہوا دین اور پھیلایا ہوا یقین سمٹتے سمٹتے ایک نقطہ بن گیا، شک و بے عملی کی ظلمتوں میں علم و یقین کا یہ نور اس طرح کہیں کہیں چمکتا تھا جیسے برسات کی اندھیری رات میں جگنو چمکتے ہیں، اہل یقین کا ایسا قحط تھا کہ ایران کا ایک نوجوان سلمان فارسی یقین اور حسن عمل کی تلاش میں نکلتا ہے تو ایران سے شام اور وہاں سے حجاز پہنچ جاتا ہے اور ان تینوں ملکوں میں اس کو صرف چار صاحب یقین ملتے ہیں۔

اس گھٹاٹوپ اندھیرے اور اس عالمگیر ظلمت میں خدا کا آخری پیغمبر آتا ہے وہ ان تینوں دولتوں کو اتنا عام کر دیتا ہے کہ اس سے پہلے کبھی اتنی عام نہیں ہوئی تھیں جو دولت کسی کسی سینے اور کسی کسی سفینہ میں تھی جو گھروں سے نکل کر محلوں میں بھی اور محلوں سے نکل کر شہروں میں بھی نہیں پھیلی تھی وہ گھر گھر عام ہو جاتی ہے اور مشرق سے لے کر مغرب تک پھیل جاتی ہے۔

ہری ہوگئی کھیتی ساری خدا کی　　　رہے اس سے محروم آبی نہ خاکی

وہ ان تینوں حقیقتوں کی تلقین ہی نہیں کرتا ان کا صور پھونک دیتا ہے دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک کوئی کان والا ایسا نہیں جو کہہ سکے کہ اس نے اس صور کی آواز نہیں سنی اور جس نے نہیں سنی اس کے کان کا قصور ہے اس کے اعلان کا قصور نہیں، آج دنیا کا کون سا گوشہ ہے جہاں ''**اشهد ان لا اله الا الله**'' اور ''**اشهد ان محمد رسول الله**'' کا ترانہ سننے میں نہیں آتا، جب دنیا کی تمام آوازیں تھک کر سو جاتی ہیں جیتے جاگتے شہر پر موت کی سی نیند طاری ہو جاتی ہے جب زبانوں پر قفل پڑ جاتے ہیں اس وقت بھی کانوں میں یہی صدا آتی ہے کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد رسول اللہ، اللہ کے پیغمبر ہیں۔

آج ریڈیو کے ذریعہ دنیا کے کونہ کونہ میں آواز پہنچتی ہے اور گھر گھر پیغام پہنچ جاتا ہے لیکن کیا کسی ریڈیو نے خواہ وہ امریکہ کا ہو خواہ برطانیہ عظمی کا کسی حقیقت کو کسی علم کو اس طرح دنیا میں عام کیا، جس طرح یہ علم عام ہوا ہے جس کی صدا عرب کے نبی امی نے کوہ صفا پر چڑھ کر لگائی تھی۔

انسان کبھی ترنگ میں آتا ہے اور طفلانہ معصومیت کے ساتھ اپنے مالک سے کچھ کہنے لگتا ہے ایسی ہی ترنگ میں اقبال نے انسانوں کی طرف سے اپنے مالک کی بارگاہ میں عرض کیا تھا:

ترا خرابہ فرشتے نہ کر سکے آباد!

اگر آج محمد رسول اللہ کا ایک ادنیٰ غلام عرض کرے تو کیا بیجا ہے کہ خدایا تیری خدائی برحق! تو محمد رسول ﷺ کا

خالق اس ساری دنیا کا خالق و مالک اور ہر شے پر قادر ہے! لیکن کیا تیرے بندوں اور تیری مخلوقات میں سے کسی نے تیرا نام اس طرح پھیلایا اور دنیا کے کونہ کونہ میں پہنچایا جس طرح تیرے بندے اور پیغمبر محمد رسول ﷺ نے؟!

یہ کوئی بے ادبی اور سرکشی نہیں اس میں بھی تعریف اسی خدا کی ہے جس نے محمد ﷺ جیسا پیغمبر بھیجا اور انکو اپنا نام پھیلانے اور اپنا دین چمکانے کی یہ طاقت اور توفیق عطا فرمائی!۔

آنحضرت ﷺ نے بدر کے میدان میں جب اپنی ۱۴۔۱۵ سال کی کمائی اللہ کے دین کی مدد کے لیے سامنے رکھ دی اور ۳۱۳ کو ایک ہزار کے مقابلہ میں لا کھڑا کر دیا تو زمیں پر سر رکھ کر اپنے مالک سے یہی کہا تھا "اے اللہ اگر تو اس مٹھی بھر جماعت کو آج ہلاک کر دینے کا فیصلہ فرماتا ہے، تو قیامت تک تیری عبادت نہ ہو سکے گی"۔

آنحضرت ﷺ نے توحید کی جو صدا لگائی تھی اس سے دنیا کا کوئی مذہب کوئی فلسفہ اور کوئی دماغ غیر متاثر نہیں رہا جب سے دنیا نے سنا کہ انسان کے لیے خدا کے سوا کسی اور اس کے سامنے جھکنا ذلت اور عار ہے خدا نے فرشتوں کو آدم کے سامنے اس لیے جھکایا تا کہ سب سجدے اس کی اولاد پر حرام ہو جائیں، وہ سمجھ لے کہ جب اس کارخانہ قدرت کے کارندے ہمارے سامنے جھکا دیئے گئے تو ہم کو اس دنیا کی کسی چیز کے سامنے جھکنا کب زیب دیتا ہے، جب سے دنیا نے توحید کی حقیقت اور انسان نے اپنی یہ حیثیت سنی اس وقت سے شرک خود اپنی نگاہ میں ذلیل ہو گیا اس کو احساس کمتری نے گھیر لیا۔

آپ کو بعثت محمد ﷺ کے بعد اس کے لہجہ میں فرق محسوس ہوگا، اب وہ اپنے عمل پر نازاں نہیں وہ اس کی تاویل اور فلسفیانہ تعبیر کرتا ہے یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ توحید کی آواز نے دل میں گھر کر لیا ہے، پھر محمد رسول ﷺ نے اس علم و یقین کے ساتھ وہ طاقت بھی پیدا کر کے دکھا دی جس میں ہزار پولیس، سیکڑوں عدالتوں اور بیسیوں حکومتوں سے زیادہ طاقت ہے، یعنی ضمیر کی طاقت، نیکی کی رغبت، گناہ سے نفرت اور نفس کا خود احتساب۔

یہ اسی طاقت کا کرشمہ تھا کہ ایک صحابی جس سے ایک بڑا گناہ سرزد ہو جاتا ہے وہ بیتاب ہو جاتے ہیں ضمیر ...س لینے لگتا ہے اور وہ حضور ﷺ کی خدمت میں آتے ہیں اور عرض کرتے ہیں حضور ﷺ مجھ کو پاک کر دیجئے، آپ ...ور پھیر لیتے ہیں وہ اسی طرف آ کر کھڑے ہو جاتے ہیں آپ دوسری طرف رخ کر لیتے ہیں وہ اس طرف آ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ آپ تحقیق کرواتے ہیں ان کی دماغی حالت خراب تو نہیں؟ جب معلوم ہوتا ہے کہ وہ صحیح الدماغ آدمی ہیں تو آپ اس کو سزا دلواتے ہیں بتایئے کس چیز نے انکو سزا پر آمادہ کیا اور کون سی چیز ان کو خود کھینچ کر لائی۔

آگے چلیئے غامدیہ ایک اَن پڑھ عورت تھیں، کسی دیہات کی رہنے والی وہ ایک بڑے گناہ میں مبتلا ہو جاتی ہیں نہ کوئی دیکھنے والا تھا نہ سننے والا مگر ان کے دل میں ایک پھانس تھی جو ان کو چین نہ لینے دیتی تھی۔ ان کو کھانے پینے

میں مزانہ آتا تھا وہ کھانا کھاتیں تو ان سے دل کہتا کہ تم ناپاک ہو، پانی پیتیں تو ان کا دل کہتا کہ تم ناپاک ہو، ناپاک کیا کھانا پینا؟ تمہیں پہلے پاک ہونا چاہئے، اس گناہ کی پاکی سزا کے بغیر ممکن نہیں وہ خود آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتی ہیں اور تقاضا کرتی ہیں کہ ان کو پاک کر دیا جائے اور اس پر اصرار کرتی ہیں۔ یہ معلوم کر کے ان کے پیٹ میں بچہ ہے، آپ فرماتے ہیں کہ اس بچہ کا کیا قصور، اس کی جان تمہارے ساتھ کیوں جائے، جب بچہ ہو جائے جب آنا، خیال کیجئے ان کو ضرور اس میں کچھ عرصہ لگا ہوگا۔ کیا اس میں انہوں نے کھایا پیا نہ ہوگا، کیا زندگی نے خود ان سے زندگی کا تقاضا نہ کیا ہوگا، کیا خود کھانے اور پینے کی لذت نے زندگی کی رغبت نہ پیدا کی ہوگی اور ان کو یہ نہ سمجھایا ہوگا کہ وہ اب حضور ﷺ کے پاس جانے کا اردہ فسخ کر دیں مگر وہ اللہ کی بندی پکی رہی اور کچھ عرصہ کے بعد بچے کو لے کر آئی اور عرض کیا کہ حضور ﷺ میں اس سے بھی فارغ ہوگئی۔ اب میری طہارت میں کیوں دیر ہو فرمایا نہیں نہیں؟ یہ بچہ اللہ کی امانت ہے اس کو کون ماں کی طرح دودھ پلائے گا، ابھی اسکو دودھ پلاؤ جب وہ دودھ چھوڑے جب آنا آپ کو معلوم ہے کہ اس کو دو برس ضرور لگے ہوں گے یہ دو برس کیسی آزمائش کے تھے، نہ پولیس تھی، نہ نگرانی، نہ مچلکہ، نہ ضمانت، کتنے خیال اس کو آئے ہوں گے، بچہ کی معصوم صورت اس کو جینے کی دعوت دیتی ہوگی، اس کی مسکراہٹ زندگی کی خواہش پیدا کرتی ہوگی اور بچہ اپنی زبان بے زبانی سے کہتا ہوگا کہ اماں میں تیری ہی گود میں پلوں گا اور تیری انگلی پکڑ کر چلوں گا مگر اس کا ضمیر کہتا تھا نہیں تیری ماں ناپاک ہے اس کو سب سے پہلے پاک ہونا ہے دل کا یقین کہتا تھا کہ احکم الحاکمین کے یہاں جانا ہے وہاں کی سزا سخت ہے وہ پھر حاضر ہوتی ہے روٹی کا ٹکڑا بچے کے منہ میں ہے اور کہتی ہے یا رسول اللہ ﷺ دیکھئے اس بچہ کا دودھ بھی چھوٹ گیا اور وہ روٹی کھانے کے قابل ہوگیا اب میری پاکی میں کیا دیر ہے۔ آخر خدا کی اس سچی اور پکی بندی کو سزا دی جاتی ہے اور حضور ﷺ خوشنودی کا پروانہ عطا کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس نے ایسی سچی توبہ کی ہے کہ اس اکیلی کی توبہ اگر سارے مدینہ پر تقسیم کر دی جائے تو سب کے لیے کافی ہو۔

وہ کیا چیز تھی جو بغیر ہتکڑی بیڑی کے بغیر مچلکہ وضمانت کے بغیر پولیس کے اس کو کھینچ کر لاتی ہے اور سزا کے لیے اصرار کرواتی ہے آج ہزار ہا پڑھے لکھے قابل فاضل مرد اور عورتیں ہیں جن کو علم اور نقصانات کا یقین ان کو غلط کام سے باز نہیں رکھ سکتا اور اچھے کام پر آمادہ نہیں کر سکتا۔

محمد رسول اللہ ﷺ نے دنیا کو یہی تینوں انمول موتی عطا کئے علم صحیح، یقین کامل اور نیکی کا تقاضائے قلبی دنیا کو نہ اس سے زیادہ قیمتی سرمایہ ملا، نہ کسی نے اس پر آپ سے بڑھ کر احسان کیا۔

دنیا کے ہر انسان کو فخر کرنا چاہئے کہ ہمارے نوع انسان میں ایک ایسا انسان پیدا ہوا جس سے انسانیت کا سر اونچا اور نام روشن ہوا اگر آپ ﷺ نہ آتے تو دنیا کا نقشہ کیا ہوتا اور انسانیت کی شرافت وعظمت کے لیے کس کو پیش

کرتے محمد رسول اللہ ﷺ ہر انسان کے ہیں محمد رسول اللہ ﷺ سے اس دنیا کی رونق اور نوع انسان کی عظمت ہے وہ کسی قوم کی ملک نہیں ان پر کسی ملک کا اجارہ نہیں وہ پوری انسانیت کا سرمایہ فخر ہیں، کیوں آج کسی ملک کا انسان فخر ومسرت کے ساتھ یہ نہیں کہتا کہ میرا اس نوع سے تعلق ہے، جس میں محمد ﷺ جیسا انسان کامل پیدا ہوا۔

آج انسانوں کا کون سا طبقہ ہے جس پر آپ ﷺ کا براہ راست یا بالواسطہ احسان نہیں؟ کیا مردوں پر آپ کا احسان نہیں؟ کہ آپ نے ہم کو مردانگی اور آدمیت کی تعلیم دی، کیا عورتوں پر آپ کا احسان نہیں کہ آپ ﷺ نے ان کو حقوق بتلائے اور ان کے لیے ہدایتیں اور وصیتیں فرمائیں آپ نے فرمایا کہ جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے کیا کمزوروں پر آپ کا احسان نہیں کہ آپ نے ان کو حقوق وفرائض بھی بتلائے اور حدود بھی بتلائے اور انصاف کرنے والوں، اور خدا سے ڈرنے والوں کی بشارت سنائی کہ بادشاہ منصف رحمت کے سایہ میں ہوگا کیا تاجروں پر آپکا احسان نہیں ہے کہ آپ نے تجارت کی فضیلت اور اس پیشے کی شرافت بتلائی اور خود تجارت کر کے اس گروہ کی عزت بڑھائی، کیا آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں اور راست گفتار اور دیانت دار تاجر قریب قریب ہوں گے، کیا آپ کا مزدوروں پر احسان نہیں کہ آپ نے تاکید فرمائی کہ مزدور کی مزدوری پسینہ خشک ہونے سے پہلے دے دو، کیا جانوروں تک پر بھی آپ کا احسان نہیں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ہر وہ مخلوق جو جگر رکھتی ہے اور جس میں احسان وزندگی ہے اس کو آرام پہنچانا اور کھلانا پلانا یہ صدقہ ہے "فی کل ذات کبد حر صدقة" کیا ساری انسانی برادری پر احسان نہیں کہ راتوں کو اٹھ کر آپ شہادت دیتے تھے کہ خدایا تیرے سب بندے بھائی بھائی ہیں "انا شهيد ان العباد كلهم اخوة" کیا ساری دنیا پر آپ کا احسان نہیں کہ سب سے پہلے دنیا نے آپ ہی کی زبان سے سنا کہ خدا کسی ملک قوم نسل اور برادری کا نہیں سارے جہانوں اور دنیا کے سب انسانوں کا ہے، جس دنیا میں آریوں کا خدا، یہودیوں کا خدا، ایرانیوں کا خدا کہا جاتا تھا وہاں الحمد للہ رب العالمین کی حقیقت کا اعلان ہوا اور اس کو نماز کا جزء بنا دیا گیا۔

ہماری آپ کی دنیا میں حکماء وفلاسفہ بھی آئے، ادباء وشعراء بھی، فاتح وکشور کشا بھی آئے، سیاسی قائد اور قومی رہنما بھی، موجدین ومکتشفین (سائنٹسٹ) بھی، مگر کسی کے آنے سے دنیا میں وہ بہار آئی جو پیغمبروں کے آنے سے، پھر سب سے بڑے محمد رسول اللہ ﷺ کے آنے سے آئی، کون اپنے ساتھ وہ شادابی، وہ برکتیں، وہ رحمتیں نوع انسانی کے لیے وہ دولتیں اور انسانیت کے لیے وہ نعمتیں لے کر آیا جو محمد رسول ﷺ لے کر آئے، چودہ سو برس ۱۴۰۰ سے زائد کی انسانی تاریخ پورے وثوق کے ساتھ آپ کو خطاب کر کے کہتی ہے۔

سرسبز سبزہ ہو جو ترا پائمال ہو
ٹھہرے جو اس شجر کے تلے وہ نہال ہو